کرشن چندر کی نسوانی کردار نگاری

سامیہ احسن

ABSTRACT:

Krishan Chandra is one of the stalwarts of progressive literary movement. He portrayed plight of subcontinent woman and her torments and issues. The woman belonging to lower strata or middle class are depicted in possitive manner, whereas those belonging to upper class are frequently portrayed with negative overtones. Krishan Chandra's woman despite possessing physical charm and inner beauty,as well as strong character, are often treated roughly by the society. She is often traded as a cheap commodity in this callous world of Chandra.

۱۹۳۶ء میں برصغیر میں ''ترقی پسند تحریک'' کا آغاز ہوا تو اس وقت کے بہت سے لکھنے والوں نے اس تحریک کے مخصوص نظریات سے متاثر ہو کر مقصدی افسانہ نگاری شروع کی۔ انھوں نے خصوصاً برصغیر کی مجبور اور بے بس عورت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور اس کی خانگی، جذباتی اور جنسی زندگی پر کہانیاں لکھنی شروع کیں۔ کرشن چندر جو ترقی پسند تحریک کے افسانہ نگاروں میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں، انھوں نے بھی تحریک کے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح عورت اور اس کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا لیکن ان کا بنیادی رجحان رومانوی تھا' اس لیے خشک مقصدیت ان کے ہاں اپنی جگہ نہ بنا سکی، چناں چہ ان کے افسانوں میں زندگی کی حقیقتیں اور تلخیاں تو موجود رہیں لیکن وہ زندگی کے حسن سے بھی نظریں نہ چرا سکے۔ یہ حسن ان کے افسانوں میں مناظر فطرت اور نسوانی کرداروں کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

عورت کا حسن اُن کے یہاں محض جنسی کشش کے حوالے سے سامنے نہیں آتا بلکہ اس میں پاکیزگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ صرف نظروں کو ہی نہیں بھاتا بلکہ روح کو بھی متاثر کرتا ہے۔

''ریشماں کی آنکھیں، ان کی نیلی پتلیوں کی اتھاہ گہرائیاں، وہ آنکھیں ان دو پاک صاف

جھیلوں کی مانند تھیں، جو کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہوں، جہاں کسی انسان کے قدم بھی نہ پہنچے ہوں۔ ریشماں کے نازک لب، شرم سار، محجوب سے لب، جیسے وہ اپنی خوبصورتی پر خود ہی پشیمان ہوں۔ اس کے نازک ہاتھ، مرمریں انگلیوں کی پوریں، جنگلی گلاب کی کلیوں کی طرح حسین۔ اس کی چال جیسے دوشیزۂ بہار اپنی تمام تر لطافتوں اور رعنائیوں کو لیے ہوا کے دوش پر اٹھلاتی ہوئی آ گئی ہو ...... اس کی آواز صنوبر کے جنگلوں میں گھومتے ہوئے گڈریے کی بنسری کی طرح میٹھی اور ابلتے ہوئے ٹھنڈے چشموں کے ترنم کی طرح لوچ دار ...... اس کا قد، فارسی کا ایک شعر، ایک نہایت ہی موزوں شعر ہے۔'' (۱)

یہ حسنِ معصوم کشمیر کی وادیوں اور گاؤں میں بسنے والی سیدھی سادی، ان پڑھ، غریب، بھولی بھالی لڑکیوں کا ہے جن کی نمائندہ ریشماں (وِیکسی نیٹر) زینی (جنت اور جہنم)، فریزی (بند والی) اور نیرا (آنسوؤں والی) جیسے کردار ہیں۔

کرشن چندر کے افسانوں میں وادیوں، دیہاتوں میں رہنے والی ان سیدھی سادی عورتوں کے ساتھ ساتھ شہروں میں بسنے والی غریب، متوسط، امیر عورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ ان میں شرافت کی زندگی کی متلاشی عورتیں بھی ہیں اور بمبئی کی فلمی دنیا کی بھونرا صفت عورتیں بھی۔ لیکن مجموعی طور پر کرشن چندر کے ہاں عورت کا مثبت کردار نمایاں ہے کیونکہ وہ عورت کی ذات میں فطری طور پر ودیعت کردہ خیر کے عنصر کے قائل ہیں۔

کرشن چندر عورت کے متعلق کچھ تصورات رکھتے ہیں۔ ان کے نسوانی کردار انہی تصورات کے مطابق ڈھل کر نکلتے ہیں۔ ان کے لیے عورت حسین ہے۔ اب اگر وہ کسی بدصورت عورت کو بھی دیکھتے ہیں تو اس کے اندر حسن تلاش کر لیتے ہیں۔ بلکہ بقول صلاح الدین احمد:

''معلوم ہوتا ہے کہ کرشن چندر کو بدصورت عورتوں سے بڑی عقیدت ہے۔''(۲)

''کہیں کہیں تنومند، وجیہہ نوجوانوں کے ہمراہ بھدی اور بدشکل عورتیں اپنے بہترین لباس پہنے بیٹھی تھیں اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں معلوم ہوتی تھیں۔ جو عورت جتنی زیادہ بدصورت تھی وہ اتنا ہی اچھا اور بھڑکیلا لباس پہنے تھی۔ دراصل پردے کی رسم تو ان ہی عورتوں کے لیے رائج کی گئی تھی۔ ان کے شوہروں کے چہرے کم از کم اس وقت تو اسی خیال کے آئینہ دار تھے۔ بے چارے دوسرے شکاروں میں بیٹھی ہوئی خوب صورت عورتوں کو گھور گھور کر اپنے نقصان کی تلافی کرنا چاہتے تھے اور ان کی اپنی بیویاں نہایت دلفریب، میٹھی آواز میں ہنس ہنس کر انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کم از کم مجھے ان کی آواز بہت شیریں معلوم ہوئی۔ شیریں جیسے کوئل کی کوک، اور ...... کوئل کا رنگ بھی تو سیاہ ہی ہوتا ہے۔'' (۳)

فطرتاً کرشن چندر خود بھی حسن پرست ہیں لیکن وہ حسن ظاہر کو ہی عورت کا جوہر تصور نہیں کر لیتے بلکہ باطن کے حسن کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں تائی ایسری اور پوجا (ایک سرریئلی تصویر) قابل تحسین ہیں کہ ایک اپنی بدصورتی اور دوسری اپنے اپاہج پن کے باوجود معاشرے کو خیر بانٹ رہی ہیں۔ جب انسان جنگ کے نام پر انسان کے بچوں کو وحشت و بربریت کا نشانہ بنا رہا ہے تو پوجا ایک بلی کے بچے کو بچانے کے لیے جان پر

کھیل گئی ہے۔ لیکن وہ بلی کا بچہ نہیں ہے بلکہ صرف ایک بچہ ہے۔ بچہ جو آنے والے دنوں کی امید ہے اور پوجا اسی امید کو بچانے کے لیے اپنی جان دے دیتی ہے۔

''میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس وقت ان لوگوں سے کچھ کہوں ...... میں ان لوگوں سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ ...... کہ ...... ہاں یہ وہی گداگر عورت ہے جسے دنیا نے کچھ نہ دیا تھا، جسے اس کی ماں نے اپنی تخلیق پر شرمندہ ہو کر آہنی کٹہرے کے حوالے کر دیا تھا، جسے ایک کوڑھی نے پالا تھا، وہ جس کی ٹانگیں نہ تھیں، جس کا دھڑ بے کار تھا، جس کی کوکھ اندھی تھی، وہ آج مر گئی تھی۔ ایک بچے کے لیے، ایک حسین خیال کے لیے، ایک سہانی امید کے لیے۔ اگر یہ موت ہے تو صلیب کسے کہتے ہیں، زندگی کسے کہتے ہیں، حیاتِ جاوداں کسے کہتے ہیں؟ کیا تم اس عورت کے چہرے کی مسکراہٹ نہیں دیکھ سکے۔ اس کی آنکھوں کا روشن تبسم نہیں پہچان سکے جو ہر دم، ہر لمحے، ہر صدی، تاریخ کے ہر صفحے پر انسان کی محبت کے راگ گاتا ہے اور معصومیت کے اس سرچشمے کو بچانے کی کوشش کرتا ہے جو شب و روز انسان کے سینے میں سوکھتا جاتا ہے۔'' (۴)

عورت کا ظاہری حسن اکثر اس کے باطن کی خوبیوں کا پردہ بن جاتا ہے کیونکہ اس کی چمکیلی تصویر کے پیچھے نظر ذرا کم ہی جاتی ہے، لیکن جب ظاہر حسن سے محروم ہو تو باطن نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ کرشن چندر کے ہاں بھی ایسی تصویروں کے پیچھے چھپا ہوا حسین چہرہ زیادہ واضح نظر آتا ہے۔

حسنِ صورت خدا کی دین ہے جبکہ حسنِ سیرت انسان کی اپنی خوبی۔ اور ایک سچے ترقی پسند کی نظر خدا کی عطا پر نہیں بلکہ انسان کے عمل پر ہوتی ہے۔ اس لیے کرشن چندر کی عورت بھی اپنی صورت سے نہیں بلکہ سیرت سے حسین ہے۔ لیکن لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ان کے ہاں ہمیں ایسی لڑکیاں نظر آتی ہیں جو معمولی صورت ہونے کی وجہ سے ایک فطری زندگی کے حق سے محروم کر دی جاتی ہیں۔ اگر ان کے ماں باپ کے پاس پیسہ ہو اور وہ لمبا چوڑا جہیز دے سکتے ہوں تو کوئی ان کو قبول کر لیتا ہے ورنہ یہ اسی طرح ماں باپ کی دہلیز پر ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ عورت کی سیرت ترازو کے پلڑے میں بالکل ہلکی اور بے وزن ہے۔ ''سدھا'' معاشرے کی ایسی ہی ٹھکرائی ہوئی لڑکی ہے جس کے جذبات کو بار بار کچل دیا جاتا ہے۔ اس کے ظاہر کو دیکھا جاتا ہے لیکن اس کے اندر جھانک کر کوئی نہیں دیکھتا حالانکہ اصل عورت تو اندر ہی ہوتی ہے۔

''تمھیں میرے انکار پر غصہ آ رہا ہے نا؟' سدھا نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ 'بہت برا لگ رہا ہے نا؟' سدھا نے پھر ہاں کے انداز میں آہستہ سے سر ہلا دیا اور آنسو چھلک کر اس کے گالوں پر آ گئے اور وہ رونے لگی۔ موتی نے اپنے کوٹ کی جیب سے رومال نکالا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا: 'مگر اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ ہر انسان کو اپنی پسند ناپسند کا حق ہے۔ بتاؤ حق ہے کہ نہیں؟'

'مگر تم نے کیا دیکھا تھا میرا جو تم نے مجھے ناپسند کر دیا؟ کیا تم نے میرے ہاتھ کا پھلکا کھایا تھا؟ میرا مٹر پلاؤ چکھا تھا؟ کیا تم نے میرے دل کا درد دیکھا تھا؟ اور وہ بچہ جو تمھیں دیکھتے ہی میری

کوکھ میں ہمک کر آ گیا تھا......؟ تم نے میرے چہرے کا صرف سپاٹ پن دیکھا۔ میرے بچے کا حسن کیوں نہیں دیکھا ......؟ تم نے وہ ہات کیوں نہیں دیکھے جو زندگی بھر تمھارے پاؤں دھوتے اور وہ بٹن جو تمھاری قمیض پر کاڑھنے والی تھی۔ تم میرے جسم کی رنگت سے ڈر گئے۔ تم نے اس سویٹر کا اُجلا رنگ نہ دیکھا جو میں تمھارے لیے بننا چاہتی تھی۔ موتی تم نے میری ہنسی نہیں سنی۔ میرے آنسو نہیں دیکھے۔ میری انگلیوں کے لمس کو اپنے خوب صورت بالوں میں محسوس نہیں کیا۔ میرے کنوارے جسم کو اپنے ہاتھوں میں لرزتے ہوئے نہیں دیکھا تو پھر تم نے کس طرح مجھے ناپسند کر دیا تھا؟''(۵)

محبت کرشن چندر کی عورت کے خمیر میں گندھی ہے کیوں کہ ان کی نظر میں :

''یوں بھی تو محبت میں صداقت خدا نے عورتوں ہی کو ودیعت کی ہے۔'' (۶)

چنانچہ ان کے افسانوں میں مرد کے لیے محبت عموماً ایک وقتی دلچسپی ہے۔ اکثر اسے محبت ہوتی ہے۔ اگر محبوب نہ مل سکے تو اس کے لیے زندگی رکتی نہیں اور اگر مل جائے تو بھی کچھ عرصے میں محبت کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ اسی لیے آشا اور کسم اپنی زندگی اور محبت سے نہیں گھبراتیں لیکن ان کا شوہر ہر دفعہ گھبرا جاتا ہے۔ پہلے آشا سے اور پھر کسم سے۔

''آشا کی خوب صورتی، اس کی چمپئی رنگت، اس کی بڑی بڑی آنکھوں اور اس کے بالوں کی بھوری رنگت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر اب وہ شاک نہ لگتا تھا۔ بجلی کی رو جو ہم دونوں کے درمیان ذرا سے لمس سے دوڑنے لگتی تھی، اب مدھم پڑ رہی تھی۔ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ بجلی کا چارج ختم ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن میں نیوٹرل ہو گیا۔ اب آشا کا بدن چھونے سے ایسا محسوس ہوتا تھا ...... میں ربڑ کا ٹکڑا چھو رہا ہوں۔ سات سالوں میں وہ دھنک کدھر غائب ہو گئی؟ وہ برقی رو کدھر پلٹ گئی؟''(۷)

''دس سال اسی ہاؤ ہا اور ہنگامہ خیز زندگی میں کٹے۔ پھر دھیرے دھیرے جی اوبنے لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس مضطرب، بے چین، منتشر زندگی میں بھی ایک نظم ہے۔ یہ بے ترتیبی بھی اپنے اندر ایک طرح کی باقاعدگی رکھتی ہے۔ اس کے ہنگام میں بھی ایک تواتر ہے۔ دھیرے دھیرے میرے احساس میں پھر وہی گھڑی کا دائرہ ابھرنے لگا۔ حیرت کے دھاکوں میں مانوسیت کا شائبہ گزرنے لگا اور باہمی لمس کا الیکٹرک چارج کم ہوتے ہوتے معدوم ہونے لگا۔ ایک دن میں پھر نیوٹرل ہو گیا۔ میں نے کسم کا گھر چھوڑ دینے کی ٹھانی۔'' (۸)

محبت کا فسوں فیروز (بند والی) اور انجینئر (آنسوؤں والی) کو بھی وقتی طور پر ہی اپنے حصار میں لے پاتا ہے لیکن مردوں کے مقابلے میں ان کے ہاں عورت کے جذبات میں استقامت ہے اور شادی کے بعد ایک مرد سے وابستگی ان کی محبت کو کم نہیں کرتی اور نہ ہی مسافروں سے ان کی محبت وقتی دل لگی ہوتی ہے۔ بلکہ محبت کا جذبہ عورت کے دل میں کبھی ماند نہیں پڑتا۔ اسی لیے ان کی عورت محبت کو پا سکے یا نہ پا سکے، وہ اسے بھولتی کبھی نہیں، جیسے ''پریتو'' شادی کے بعد بھی اپنے محبوب کو نہیں بھولی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گزارتی ہے، بچے پیدا کرتی ہے، پالتی

ہے، گھر داری کرتی ہے لیکن اس کا دل اپنے محبوب کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ ریشماں (ویکسی نیٹر) اور نوجوان لڑکی (پریتو) بھی وہ عورتیں ہیں جنھوں نے اپنے دلوں میں محبت کے مزار بنا لیے ہیں اور اندر ہی اندر ان قبروں کی مجاوری کر رہی ہیں۔

''بہت دیر کی خاموشی کے بعد بوڑھے سکھ نے دلگیر لہجے میں کہا۔ 'عورت کبھی نہیں بھولتی ۔ وہ لوگ عورت کو نہیں جانتے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ڈولی میں سوار کرا کے، ایک پلنگ پر لٹا کر، چار بچے پیدا کرا کے اس کے دل کا سپنا اس سے چھین سکتے ہیں ...... وہ لوگ عورت کو نہیں جانتے۔ عورت کبھی نہیں بھولتی۔'' (۹)

کرشن چندر کی عورت با وقار ہے۔ اسے اپنے جذبوں کے اظہار پر اختیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نسوانی کردار بے لگام نہیں۔ اگر زندگی میں ناکام ہیں تو بھی ریشماں، نوجوان لڑکی (پریتو)، نیلا، آشا، کسم، تائی ایسری کی طرح دل کے جذبات کو دل ہی میں مدفون کر دیتے ہیں۔ گم شدہ محبت کا مزار بھی دل میں ہی بنا لیتے ہیں اور ناقدری کا دکھ بھی سینے میں چھپا لیتے ہیں۔ اپنے غموں کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔

''تائی ایسری'' کا کردار کرشن چندر کی مثبت عورت کے کردار کی بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ تائی ایسری جو کہ ایک معمولی صورت عورت ہے اور جس کے شوہر نے اسے شادی کی رات ہی مسترد کر دیا ہے، ساری زندگی بڑے وقار کے ساتھ اپنا بھرم قائم رکھتی ہے۔ سسرالی رشتے نبھاتی ہے۔ لوگ کبھی اس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے دل میں اپنے شوہر کے لیے وفا اور محبت کے جذبات ہیں جن کا اندازہ کبھی نہ کبھی ان کی حرکات سے ہو جاتا ہے۔ بے وفا شوہر کے پاس رہنے کا موقع ملتا ہے تو اس کا بے حد خیال بھی رکھتی ہے اور وہ مر جاتا ہے تو اس طوائف کا حال پوچھنے شاہی محلے پہنچ جاتی ہے جس کے پاس ان کا شوہر انھیں چھوڑ کر رہنے لگا تھا۔

'''تائی ایسری تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟' میں نے کچھ حیرت سے کہا۔ وہ اسی طرح سر نیچا کر کے آہستہ آہستہ جھجکتے جھجکتے بولیں۔ 'وہ ...... وہ ...... میں نے سنا تھا کہ چھمی بیمار ہے۔ بہت سخت بیمار ہے۔ میں نے سوچا سے دیکھ آؤں ......!'

'تم یہاں چھمی کو دیکھنے آئی تھیں؟' میں نے غم اور غصے سے تقریباً چیخ کر کہا۔ 'چھمی کو ......چھمی کو ......اس بد ذات چھنال کو؟ جس نے ......جس نے ......!'

تائی ایسری نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور میں کہتے کہتے رک گیا۔ 'ناں کاکا! اس کو کچھ نہ کہو ......'

تائی ایسری نے اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ 'مرنے والے کی یہی ایک نشانی رہ گئی تھی۔ آج وہ بھی چل بسی!'' (۱۰)

لیکن اس محبت کے باوجود انھوں نے اپنے نسوانی غرور کا بھی تحفظ کیا، میاں کے مرنے کے بعد ان کی لاش کو گھر لانے کی اجازت نہ دی اور نہ ہی ارتھی کے ساتھ گئیں۔ نہ شمشان گھاٹ کا رخ کیا اور نہ ہی آنکھ سے کوئی آنسو

گرایا۔ ہاں سہاگ کی چوڑیاں توڑ دیں، سفید کپڑے پہن لیے اور ماتھے کا سیندور مٹا کر چولہے کی راکھ ماتھے پر مل لی۔ مگر اور کسی طرح کا فرق ان میں نہ آیا۔ ان کا یہ عمل ان کی ذات میں موجود انا اور عزتِ نفس کے اس احساس کا عکاس ہے جس نے ساری زندگی انہیں حرفِ شکایت زبان پر لا کر اپنا بھرم کھولنے کی اجازت نہ دی اور جس کی وجہ سے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کسی کو ان کے سامنے ان پر ترس کھانے کی ہمت نہ ہوسکی۔ تائی ایسری کی زندگی اور ان کی ذات سے پھوٹنے والا خیر کا وہ چشمہ جوان کی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہا، انہیں ہندوستان کی ایک عام پتی ورتا عورت کے بجائے ایک ایسی عورت کے روپ میں ہمارے سامنے لاتا ہے جو مرد کے سہارے کے بغیر بھی معاشرے میں اپنا الگ وجود قائم رکھتی ہے۔ جس کی زندگی کا دائرہ ایک مرد کی خوشی تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ صرف ایک عورت نہیں بلکہ ایک انسان ہے، مکمل انسان جو ہر دم دنیا کو کچھ دے رہا ہے۔

> ’’’یہ زندگی دوسروں کا قرضہ ہے بیٹا!‘ تائی سنجیدہ رو ہو کر بولیں۔’اسے چکاتے رہنا چاہیے۔ تو کیا اس سنسار میں خود پیدا ہوا تھا؟ نہیں تجھے تیرے ماں باپ نے زندگی دی تھی۔ تو پھر تیری زندگی کسی دوسرے کا قرضہ ہوئی کہ نہیں؟ پھر یہ قرضہ ہم نہیں چکائیں گے تو یہ دنیا آگے کیسے چلے گی۔ ایک دن پر لے آجائے گی ...... بیٹا اسی لیے تو کہتی ہوں میں نے تیرا قرضہ چکایا ہے، تو کسی دوسرے کا قرضہ چکا دے...... ہر دم چکاتے رہنا انسان کا دھرم ہے۔‘‘(۱۱)

کرشن چندر کے ہاں بدلتے ہوئے سماج کے باوجود رشتوں کی مسلمہ سچائیاں نہیں بدلتیں۔ ان کے ہاں بیوی اپنے روایتی انداز میں باوفا ہے۔ بیٹی مان رکھنے والی ہے اور ماں محمود کی ماں کی طرح محبت کرنے والی ہے۔ جس کے بچے نظروں سے اوجھل ہوں تو ہزار وہم اس کی رات کی نیند اور دن کا چین حرام کرنے کو آموجود ہوتے ہیں۔ محمود جو لاہور میں بی اے میں پڑھتا ہے چھٹیوں میں ابھی گھر نہیں آیا۔ لیکن ماں اس جوان بچے کے لیے ایسے پریشان ہے جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ہو۔

> ’’پتہ نہیں میرا لال اس وقت کس حال میں ہے۔ میرا چھوٹا محمود، اور تم یہاں پڑے سو رہے ہو۔ وہاں اس کا کون ہے، نہ ماں نہ بھائی نہ بہن اور تم (باپ) یہاں خراٹے لے رہے ہو آرام سے، جیسے تمھیں کسی بات کی فکر ہی نہیں (سسکتے ہوئے) میں نے ابھی ابھی اپنے چھوٹے محمود کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ ایک میلے کچیلے بستر پر پڑا بخار سے تپ رہا تھا۔ اس کا پنڈا تنور کی طرح گرم تھا۔ وہ کراہتے ہوئے اماں اماں کہہ رہا تھا.....‘
>
> یہ کہہ کر اماں زور زور سے رونے لگیں---’مجھے موٹر منگوا دو، میں لاہور جاؤں گی۔‘
>
> ’اب تم سے کون بحث کرے۔ ہمیں تو نیند آئی ہے۔‘ یہ کہہ کر ابا کروٹ بدل کر سو رہے۔ میں نے بھی یہی مناسب جان کر آنکھیں بند کر لیں۔ مگر کانوں میں اماں کی مدھم سسکیوں کی آواز جسے وہ دبانے کی بہت کوشش کر رہی تھیں، برابر آ رہی تھیں۔ کیا دل ہے ماں کا اور کتنی عجیب

ہستی ہے اس کی؟ میں آنکھیں بند کیے سوچنے لگا۔ ماں کا دل، ماں کی محبت، مامتا اس قدر عجیب جذبہ ہے، عالمِ جذبات میں اس کی نظیر ملنی محال ہے۔ نہیں یہ تو اپنی نظیر آپ ہے۔ ایک سپنے کے دھندلکے میں اپنے بیمار بیٹے کو دیکھتی ہے اور چونک پڑتی ہے۔ لرز جاتی ہے۔'' (۱۲)

اپنی ذات کی ان تمام خصوصیات کے ساتھ کرشن چندر کی عورت مظلوم ہے۔ وہ دہرے ظلم کا شکار ہے۔ ایک طرف مذہب کی قدغنوں اور سماج کے اصولوں نے اسے مرد کی باندی بنا کر رکھا ہوا ہے تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام نے اسے انسانیت کے درجے سے گرا کر جنس بازار بنا دیا ہے۔ ان کے یہاں مرد عورت کے خلاف ایک استحصالی طاقت بن کر سامنے آتا ہے۔ باپ، بھائی اور شوہر کے روپ میں وہ عورت کا ان داتا ہے جو دوسری سامراجی طاقتوں کے ساتھ مل کر عورت کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ عورت مرد کی ملکیت ہے۔ یہ اس کی خدمت کرتی ہے، اس کا گھر سنبھالتی ہے، اس کے بچے پالتی ہے لیکن مرد کی ہوس کا منہ کبھی نہیں بھرتا۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اس کے جسم کا سودا بھی کر لیتا ہے۔ سیدھی سادی پریم لتا جو گھریلو لڑکی تھی، جسے گھر کے کام کرنا اچھا لگتا تھا اور جو سستی ساڑی پہن کر بھی خوش رہتی تھی، اپنے شوہر کے اصرار کے باوجود بمبئی جا کر فلموں میں کام کرنے کے لیے راضی نہیں تھی لیکن چار چوٹ کی مار نے اسے مجبور کر دیا۔ اب اس کا شوہر اس کا مالک ہے اور اس کے ڈائریکٹر، پروڈیوسر سب اس کے حصے دار بننا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے پریم لتا سونے کی ایک کان ہے جس میں سے ہر کوئی اپنا حصہ وصول کرنا چاہتا ہے۔

''یکا یک مدن کو ایسا محسوس ہوا جیسے پریم لتا کوئی عورت نہیں ہے، وہ ایک کاروباری تجارتی ادارہ ہے جس کے شیئر بمبئی کے سٹاک ایکسچینج پر خرید و فروخت کے لیے آ گئے ہیں، جیسے گلوب کمبائن، الکائن اور ٹاٹا ڈیفرڈ۔ ایسے ہی پریم لتا پرائیویٹ لمیٹڈ۔'' (۱۳)

عورت کے بیوپار میں شوہر تو ہے ہی، باپ اور بھائی بھی پیچھے نہیں۔ ریشماں (ویکسی نیٹر) اپنے باپ کی نمبرداری کے لیے بک جاتی ہے تو مکھی (اندھا چھتر پتی) صرف دھان کے دو کھیتوں کے عوض۔ اس سارے سودے میں عورت کے ہاتھ کیا آتا ہے؟ بیچنے والا مرد، خریدنے والا مرد، منافع سب مرد کا اور عورت کے لیے؟ افسانہ ''دانی'' کی ثریا بکتے ہوئے یہی سوال اٹھاتی ہے۔

'''یہ کون لوگ تھے؟'

'ایک تو میرا بھائی تھا' ثریا نے سسکتے سسکتے کہا۔

'تمھارا بھائی تھا؟' دانی نے پوچھا۔

'ہاں'۔ ثریا نے سر ہلایا۔ 'وہ مجھے ان غنڈوں کے ہات فروخت کر رہا تھا'

'کتنے روپیوں میں؟'

'تین سو روپیوں میں' ثریا نے جواب دیا۔

'پھر؟'

'پھر میں نہیں مانی۔'

'تم کیوں نہیں مانیں؟'

'میں چھ سو مانگتی تھی۔'

'تم چھ سو مانگتی تھی؟' دانی نے حیرت سے پوچھا۔'وہ کیوں؟'

'میرا بھائی تین سو روپے لے جاتا تو مجھے کیا ملتا۔ میں جو بک رہی تھی تو مجھے بھی کچھ ملنا چاہیے تھا۔' ثریا نے دانی کو سمجھایا۔ دانی خفا ہو کر بولا۔'واہ! جو چیز بیچی جاتی ہے اسے کیا ملتا ہے؟ ایسا دستور تو ہم نے زندگی میں کہیں نہیں دیکھا نہ سنا۔ ہماری دکان سے جو گاہک چار آنے کا کھارا بسکٹ خریدتا ہے اسے چار آنے کے عوض کھارا بسکٹ ملتا ہے۔ دوکان دار کو چار آنہ ملتا ہے۔ مگر کھارا بسکٹ کو کیا ملتا ہے؟ ایں؟'

'میں کھارا بسکٹ نہیں ہوں۔' ثریا غصے سے بولی۔''(۱۴)

عورت کو کبھی مرد خود اپنی خواہشات کے لیے بیچ دیتا ہے اور کبھی اتنا مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اس کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے خود کو بیچ دے۔''اندھیرے کا ساتھی'' کا گردھاری باوجود جہیز وصولنے کے آئے روز اپنی بیوی کو باپ سے پیسے مانگنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ اپنی زندگی کو پر تعیش طور پر گزارنے کا سامان کر سکے۔ روز روز کے مطالبوں، باپ کی کمزور مالی حالت اور شوہر کی مار پیٹ کے نتیجے میں گردھاری کی بیوی پھول وتی اپنا جسم بیچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

عورت کی خرید وفروخت اسی ایک سطح پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی کئی سطحیں ہیں۔ کہیں مرد اپنی مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے عورت کو بیچتا ہے اور کہیں اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے زینی (جنت اور جہنم) جیسی مجبور لڑکیوں کی بھوک اور مجبوری خرید لیتا ہے۔

کرشن چندر کے افسانوں میں بکتی ہوئی یہ لڑکیاں بار بار نظر آتی ہیں۔ ہر دفعہ کسی نئی مجبوری کے ساتھ سودا چکتا ہے۔ معاشرے کے عام گھروں کے ساتھ ساتھ بمبئی کی فلمی دنیا میں بھی یہ کاروبار جاری نظر آتا ہے اور یوں وسیع پیمانے پر وہ اس عمل کو معاشرے میں پھیلتے اور عورت کے وجود کو بے جان شے میں تبدیل ہوتے دیکھتے ہیں۔

''بادامی ہر سال ایک لاکھ روپیہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اس کا کام ہے نئی لڑکیوں کو فلم ایکٹریس بنانا اور پھر انھیں بیچنا۔ وہ کہتا ہے یہ بڑی اچھی تجارت ہے، ملک میں یہ تجارت اب پانچویں نمبر پر ہے۔'' (۱۵)

مرد اور سماج کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ نظام بھی عورت کا استحصال کنندہ ہے۔ کرشن چندر کے افسانے ''عورتوں کا عطر'' میں اس نظام پر چوٹ کی گئی ہے جو عورت کے وجود سے خون کا ایک ایک قطرہ چوسنے کے بعد بھی مطمئن نہیں۔ مس پریماوتی کا افسانے کے آخر میں کہا گیا یہ ادھورا فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

''اچھا ہوا قدرت نے عورتوں کے جسم میں خوشبو نہیں رکھی ورنہ آپ سرمایہ دار لوگ تو......!''(۱۶)

کرشن چندر کے افسانوں میں ظلم سہتی ہوئی عورت کہیں کہیں اب ظالمانہ نظام کے خلاف احتجاج کرتی بھی نظر آتی ہے اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی بھی مل جاتی ہے۔ ''برہم پترا'' کی لوتیکا، امیا، پرتبھا، گیتا، نیلما، سرمایہ دارانہ نظام کی ظلمتوں کے خلاف احتجاج میں مردوں کے شانہ بشانہ ہیں اور اپنی جانیں دینے سے بھی نہیں کتراتیں۔ ظلم کے خلاف اس آگ نے عورت کو شبنم سے شعلہ بنا دیا ہے۔

> ''نیلما، نازک مزاج، نفاست پسند نیلما کا چہرہ یکا یک غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں تن گئیں اور اس نے بے دھڑک دونوں ہاتھوں سے اپنی ساری کھول ڈالی اور اسے لاشوں پر ڈال دیا۔ اب وہ سب کے سامنے ننگی کھڑی تھی لیکن کس میں ہمت تھی جو اس وقت اس سے آنکھ ملا سکے۔ وہ اس وقت شوجی کی تیسری آنکھ تھی جسے دیکھتی بھسم کر ڈالتی۔ ایک ایک کر کے مورگ کے سارے ملازم وہاں سے کھسک گئے۔ پولیس کے سپاہی بھی شرمندہ ہو کے وہاں سے چلے گئے۔ اب وہاں کوئی نہ تھا۔ صرف نیلما شہیدوں کی لاشوں پر پہرہ دے رہی تھی۔''(۱۷)

''ربر کی عورت'' میں زہرہ مرد کی پسندیدہ عورت ہے کیوں کہ مرد ایسی ہی عورت چاہتا ہے جو نہ کچھ مانگے، نہ بولے، نہ ٹوکے اور اس کو من مانیاں کرنے دے۔ اس کے لیے حسن نے ربڑ کی عورت بنوائی ہے جو اس کے اشاروں پر چلتی ہے۔ یہ ایک سطح پر ہندوستان کی عورت کی علامت ہے۔ جسے مذہب اور رسوم و رواج کے اسپرنگ ڈال کر بنایا گیا ہے تاکہ مرد اپنی مرضی سے حرکت دے سکے لیکن اب وہ بول پڑی ہے اور اپنے حق کے لیے آواز اٹھا رہی ہے۔

> ''ربڑ کی عورت اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گئی اور بڑی مضبوطی سے حسن کا دامن تھام لیا اور بڑے کڑوے لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔ 'کیوں جی کیا مجھے اسی لیے لائے تھے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر پیرس جاؤ اور وہاں سے کسی مردار ماٹی جلی فرنچ میم کو لے آؤ۔ نا ایسے نہ جانے دیا میں نے۔ ربڑ کی ہوں تو کیا ہوا۔ آخر ہوں تو عورت۔ ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلی؟ ایں؟' ہوں۔ صاف صاف کہے دیتی ہوں جہاں تم جاؤ گے، وہاں میں بھی جاؤں گی۔ تمھارے سنگ، تمھارے ساتھ ساتھ جاؤں گی۔ ورنہ تم کو بھی نہیں جانے دوں گی۔ کان کھول کر سن لو ابھی سے ہاں۔''(۱۸)

عام ترقی پسندوں کی بہ نسبت کرشن چندر نے طوائف کی مظلومیت اجاگر کرنے کے بجائے شریف مگر غریب لڑکی کی مظلومیت کی تصویر کشی میں زیادہ دلچسپی لی ہے۔ اُنھوں نے عموماً ہندوستان کی روایتی بے بس اور مجبور عورت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ عورت زندگی کے ہر محاذ پر لڑتی ہوئی مگر شکست کھاتی اور کچلی جاتی دکھائی دیتی ہے۔ چند ایک مثالوں کو چھوڑ کر یہ تانیثی شعور سے محروم ہے۔ اس کی فطرت گھریلو ہے۔

کرشن چندر نے عورت کے گھناؤنے رخ کی عکاسی بھی کی ہے لیکن یہ عموماً فلم انڈسٹری یا اوپری طبقے کی عورتوں کے حوالے سے ہے۔ ترقی پسند تحریکی نظریات کے تحت بورژوائی طبقے کے مردوں کی طرح اس کی عورت بھی اپنی بری فطرت اور اعمالِ بد کے ساتھ اُن کے ہاں نظر آتی ہے۔ یہ اپنے طبقے کی نمائندہ ہے۔ وارث علوی اس کے

حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''عورت کی آزادی کو انھوں نے اوپری طبقے کے تعلق کے حوالے سے دیکھا ہے اور عیاش عورتوں کے حد درجے گھناؤنے کردار بیان کر کے آزادیِ نسواں کے پورے کاز کو بارود سے اڑا دیا ہے--- یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کرشن چندر کی پسندیدہ ترین اور خوب صورت ترین عورتیں ان کی کشمیر کی رومانی فضاؤں کی گر جولڑکیاں اور گرم کنیائیں ہیں۔'' (۱۹)

حوالہ جات وحواشی:

(۱) کرشن چندر، ویکسی نیٹر، مجموعہ: درمیانی عورت، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۲ء، ص: ۵۶

(۲) صلاح الدین احمد، مقدمہ درمیانی عورت، ص ۷

(۳) کرشن چندر، جنت اور جہنم، مجموعہ: درمیانی عورت، ص: ۲۳

(۴) کرشن چندر، ایک سرریئلی تصویر، مجموعہ: کرشن چندر کے سو افسانے، لاہور: چودھری اکیڈمی، س۔ ن، ص: ۲۰۳، ۲۰۴

(۵) کرشن چندر، شہزادہ، مجموعہ: افسانے کرشن چندر کے، مرتب: ایم سرور، لاہور: بک ہوم ۲۰۱۲ء، ص: ۲۰۴، ۲۰۵

(۶) کرشن چندر، بندوالی، مجموعہ: درمیانی عورت، ص: ۴۷

(۷) کرشن چندر، درمیانی عورت، مجموعہ: درمیانی عورت، ص: ۱۸

(۸) ایضاً، ص: ۲۰

(۹) کرشن چندر، پریتو، مجموعہ: افسانے کرشن چندر، ص: ۹۰

(۱۰) کرشن چندر، تائی ایسری، مجموعہ: کرشن چندر کے سو افسانے، ص: ۵۶۳، ۵۶۴

(۱۱) ایضاً، ص: ۵۶۸، ۵۶۹

(۱۲) کرشن چندر، مامتا، مجموعہ: افسانے کرشن چندر، ص: ۳۰۹، ۳۱۰

(۱۳) کرشن چندر، پہلا دن، مجموعہ: کرشن چندر کے سو افسانے، ص: ۴۷۶

(۱۴) کرشن چندر، دانی، مجموعہ: کرشن چندر کے سو افسانے، ص ۶۸۶

(۱۵) کرشن چندر، ایک ایکسٹرا لڑکی، مجموعہ: تین غنڈے، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۴ء، ص: ۷۷

(۱۶) کرشن چندر، عورتوں کا عطر، مجموعہ: افسانے کرشن چندر، ص: ۳۳۹

(۱۷) کرشن چندر، برہم پترا، مجموعہ: کرشن چندر کے سو افسانے، ص ۲۷۴، ۲۷۵

(۱۸) کرشن چندر، ربر کی عورت، مجموعہ: افسانے کرشن چندر، ص: ۱۹۲

(۱۹) وارث علوی، کرشن چندر کی افسانہ نگاری، مشمولہ: افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، دہلی: ایجوکیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص: ۳۲۶